مفت سلسلہ اشاعت نمبر 95

یادیں مٹائی نہ جائیں

مصنف: علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ

نام کتاب	:	یادیں مٹائی نہ جائیں
ف	:	خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب علیہ الرحمہ
ضخامت	:	۳۲ صفحات
تعداد	:	۲۰۰۰
مفت سلسلہ اشاعت	:	۹۵

☆☆ ناشر ☆☆

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی۔ 74000 فون: 2439799

زیر نظر کتاب "یادیں مٹائی نہ جائیں" جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان کے سلسلہ مفت اشاعت کی 95 ویں کڑی ہے۔ جس کے مصنف خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب علیہ الرحمہ ہیں۔ اہلسنت و جماعت کے لیے علامہ موصوف کی خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ خطیب مشرق علیہ الرحمہ کو تحریر و تقریر پر بیک وقت ملکہ حاصل تھا۔ زیر نظر کتابچہ بھی ان کی تحریر پر کامل گرفت کا منہ بولتا شاہکار ہے اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے اور ہمیں ان کے نقوش پا پر گامزن ہوتے ہوئے مذہب مہذب اہلسنت و جماعت کی خدمت کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔ جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان اس کتاب کو اپنے سلسلہ مفت اشاعت کے تحت شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہی ہے امید ہے کہ زیر نظر کتاب قارئین کرام کے علمی ذوق پر پورا اُترے گی۔

فقط .... ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یادیں مٹائی نہ جائیں

یادیں منائی جائیں اور انہیں برقرار رکھا جائے

الحمد لله و كفى و سلام على حبيبه الذى اصطفى

قال الله تبارك و تعالى فى القران المجيد و الفرقان الحميد ○

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (پارہ نمبر 1 آیت نمبر 125)

ہم اہلسنت و جماعت سال کے مختلف مہینوں کے مخصوص اوقات میں اپنے اسلاف و اکابر کی یادیں مناتے ہیں۔ میں ڈھکی چھپی باتوں کے لکھنے کا قائل و عادی نہیں، ایسے اشارات و کنایات جو ذہنوں کو بوجھل تو بنا دیں مگر مقصد اشائی نہ کر سکیں میں انہیں ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔

میکدے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوت کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

میں بہت ہی واضح الفاظ میں اس کا اظہار کیے دیتا ہوں کہ ہم اہلسنت و جماعت کبھی محفل میلاد شریف منعقد کرتے ہیں، بارہ ربیع الاول کو جلوس عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکالتے ہیں، گیارہ ربیع الثانی شریف کو پیران پیر دستگیر حضور سیدی سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلا کر ان کی یاد مناتے ہیں، چھٹی رجب شریف کو سلطان ہند خواجہ خواجگان سیدی سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

یاد مناتے ہیں۔ دسویں محرم الحرام شریف کو نواسہ رسول سیدنا امام عالی مقام سرکار حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چودھویں شعبان کو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک نادیدہ عاشق حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پچیس صفر شریف کو امام اہلسنّت مجدد دین وملت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یادیں مناتے ہیں اور دسویں ذوالحجہ کو حضرت ابراہیم سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی یادیں مناتے ہیں۔

غرض یہ کہ سال و مہینے اچھے خاصے یادوں میں گھرے ہوئے ہیں، لہٰذا آج ہم کو اور آپ کو مل جل کر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم لوگ وفورِ عقیدت اور افراطِ محبت میں من مانی یادیں مناتے ہیں۔ یہ اختراعِ محض ہے یا کوئی مفروضہ و من گھڑت تصور ہے......؟ یا واقعتاً اسلام اپنے ماننے والوں کو اس کی اجازت دیتا ہے کہ یادیں منائی نہ جائیں بلکہ یادیں منائی جائیں اور انہیں برقرار رکھا جائے۔

یومِ ولادت:۔

میں یقین واعتماد کی بلند ترین چوٹی سے بابنگ دہل اس کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر اسلامی سچائی اور دیانت داری کے ساتھ عمیق و گہری نظروں سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ثابت ہوگی کہ اسلام کھلے بندوں اس کی اجازت دیتا ہے کہ یادیں منائی نہ جائیں، بلکہ منائی جائیں۔

اگر کسی کی آنکھ پر تعصب و تنگ نظری اور عصبیت و تنگ خیالی کی عینک لگی ہو تو اب وہ اسے اتار دے اور انتہائی اعتدال پسندی اور سنجیدہ مزاجی سے آنے والی گفتگو پر دھیان دے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ کو عہدِ رسالت کی ایک بات یاد دلاتا چلوں۔ زمانہ آقائے کائنات کا ہے جسے خیر القرون (بہترین زمانہ) کہا جاتا ہے۔ مہینہ غیر رمضان کا ہے اور دن دوشنبہ کا۔ سید عالم روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزے سے تھے۔

اس سلسلے میں مسلمانوں کا ایک اسلامی مزاج اور اسلامی فطرت یہ ہے کہ اگر کوئی توانا، تندرست، ہٹا کٹا، کڑیل جوان، رمضان کے مہینے میں روزے سے نہ ہو تو اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تمہارا روزہ کیوں نہیں؟ اور ایسے ہی اگر کوئی درویش صفت غیر رمضان میں تشریف لائیں، آپ نے اس محترم و معزز مہمان کے کھانے کا نظم کیا، ساری نعمتیں دسترخوان پر چن دیں، اب آپ نے عرض کیا، تشریف لائیں اور کھانا تناول فرمائیں۔ مہمان نے جواب دیا میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ آپ نے حیرت زدہ ہو کر دریافت فرمایا، کیا کوئی فروگذاشت یا کوتاہی ہوگئی ہے؟

آنے والے مہمان نے جواب دیا، ایسا نہیں ہے بلکہ میں روزہ سے ہوں، یقیناً ایسے موقع پر آپ سوال کریں گے، یہ آج آپ کا روزہ کیسا ہے؟

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا یہ اسلامی مزاج ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھنا قابلِ تعجب اور غیر رمضان میں روزہ رکھنا باعثِ حیرت ہے۔

چنانچہ جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ آقائے دو جہاں روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزے سے ہیں تو صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ آج سرکار کا روزہ کیسا ہے؟

جواباً سرکار نے ارشاد فرمایا:۔ یوم ولدت آج کے دن میں پیدا کیا گیا ہوں۔

یعنی آج میرا یوم ولادت اور پیدائش کا دن ہے۔ اس سے پتہ چلا اور حقیقت منکشف ہوگئی کہ سرکار ابد قرار نے "یوم" کی قید لگا کر متنبہ فرمادیا کہ میں نے اپنے "یوم ولادت" کو مرنے نہیں دیا، بلکہ روزہ رکھ کراسے زندہ رکھا۔

معلوم ہوا کہ بڑے اچھے اور تاریخی دنوں کو فراموش نہیں کیا جاتا، بلکہ اسے کسی نہ کسی طرح زندہ رکھا جاتا ہے۔

ایک سوال:۔

ہاں! اب کوئی دشمن رسول یہ سوال کرسکتا ہے کہ میں نے اس حدتک تسلیم کیا کہ تاریخی دنوں کو مٹایا نہیں جاتا بلکہ انہیں برقرار رکھا جاتا ہے، تو پھر ایسا کیجئے کہ جس طرح رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روزہ رکھا...... بارہ ربیع الاول کو آپ لوگ بھی روزہ رکھا کیجئے ، یہ گیٹ اور یہ شامیانہ کیسا؟ یہ رنگ برنگ کی جھنڈیاں کیسی؟ یہ پلاؤ اور بریانی کیوں؟ یہ آرائش وزیبائش کیسی؟ اس محفل میلاد اور سلام وقیام کی دھوم دھام کا کیا معنی؟ جشن چراغاں اور تقسیم تبرک کا اہتمام کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہاں! اگر یاد ہی منانا ہے تو خاموشی سے آپ لوگ بھی روزہ رکھ لیا کیجئے۔

بہت خوب! معلوم ہوا پڑھنے نہیں گئے تھے بلکہ "بھاڑ" جھونکنے گئے تھے۔

جی جناب والا! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اس طرح کے بعض واقعات ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے فعل کی تخصیص مقصود نہیں ہوتی کہ بس یہی کیا جائے بلکہ اسی سے اصول و ضابطے، آئین ودستور جنم لیتے ہیں بلکہ وہی فعل مقیس علیہ بنتا ہے اور دوسری چیزوں کو اسی پر قیاس کیا جاتا ہے۔

دستور محبت:۔

مثلاً آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعت گوشاعر خصوصی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کا معمول یہ تھا کہ خواہ وہ خود کہیں بھی رہتے مگر آنکھ ان کی ہوتی اور روئے زیبا مصطفیٰ کا، زبان ان کی ہوتی اور خطبہ رسول اللہ کا، غرض یہ کہ سرکار کی ایک ایک ادا کو شعر وسخن کے سانچے میں ڈھالنا اور اسی بہانے آتش محبت پر شبنم کا چھڑکاؤ کرنا ان کا دستور محبت تھا۔ دل ویراں کو محبوب کی یادوں سے آباد رکھنا ان کی زندگی کا بہت ہی حسین مشغلہ تھا۔

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

شاعر کی فطرت ہے، جب وہ نظم، غزل، نعت وقصیدہ وغیرہ کے دو چار شعر بھی کہہ لیتا ہے تو کسی ایسے باذوق وسلیم الطبع کو ڈھونڈتا ہے جس کو اپنا کلام سنا کر اس سے داد حاصل کرسکے۔ کبھی کبھی تو یہ ذوق شاعر کو وارفتگی کی اس حدتک پہنچا دیتا ہے کہ جب وہ کسی کو نہیں پاتا تو دیوار و در ہی کو سنانے لگتا ہے۔

عشق کی معراج:۔

روزانہ تو حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسروں کو تلاش کرتے تھے لیکن آج ان کا نصیب ہمدوش ثریا ہو کر منتہائے کمال کی آخری حدوں کو چھورہا ہے۔ آج کوئی اور نہیں، خود آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حسان! میرے متعلق جو تم نے کہا ہے، کچھ مجھے بھی سناؤ"۔

اسے کوئی نہیں جانتا کہ یہ سنتے ہی " حضرت حسان " پر کیا کیفیت گزر گئی۔
مجھے کہہ لینے دیجیئے، گویا آج عاشق کی نہیں خود عشق کی معراج ہے۔ حسین نہیں، خود حسن
سننا چاہتا ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ایک نکتہ ملاحظہ فرمائیں۔

نعت مصطفیٰ ﷺ کا جواز:۔

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حکم دے کر کہ اپنا نعتیہ کلام مجھے سناؤ، گویا
سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے نعت لکھنے، نعت سنانے اور نعت سننے کا جواز پیدا
کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی نعت شریف لکھی بھی جاسکتی ہے اور سنی بھی جاسکتی ہے۔ عصر
حاضر کے بدبخت اور بدنصیب فراعنہ، نعت شریف کا نام سن کر " منہ بسورتے " اور
" ناک بھوں چڑھاتے ہیں " اور ان کے مکروہ چہرے پر ایسی بدنما گہری لکیریں پڑ جاتی
ہیں جس سے چہرے کا زاویہ ہی بدل جاتا ہے۔ گویا میرے سرکار کا یہ ارشاد ہمایوں ان
کے بدزیب چہرے پر غیبی طمانچہ اور ان کی برہنہ پشت پر، تازیانہ عبرت ہے۔ یہ ان
دشمنانِ رسول کا ایسا بدبختانہ کردار ہے کہ انسانیت ہمیشہ نفرین و ملامت کرتی رہے گی۔
ہاں! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سرکار نے فرمایا " حسان " مجھے میری نعت
سناؤ! حسان حکم پاتے ہی سراپا ادب ہو کر کھڑے ہوگئے، ابھی نوک زبان پر کوئی حرف
نہ آیا تھا، اب کچھ عرض کرنا ہی چاہتے تھے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

" حسان! رک جاؤ "۔

یہ سنتے ہی حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لرزیدہ براندام ہوگئے۔ خاموشی
اور سناٹے کی فضا بندھ گئی۔ اب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو حکم دیا،
جاؤ! وہ منبر لاؤ۔ حکم پاتے ہی وہ صحابی آگے بڑھے، کیوں نہ جاتے؟ وہ صحابی تھے

.... نہ تھے اور منبر حاضر لائے۔ اب میرے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
حضرت حسان کو دوبارہ حکم دیا کہ حسان! اس منبر پر آجاؤ اور میری نعت پڑھو۔
میں دنیا سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ کلام فرشِ خاک پر نہ پڑھا جا
سکتا تھا......؟ منبر ہی کیوں منگوایا گیا......؟
اس واقعہ کو پیش کر کے مضمون کو طول دینا مقصود نہیں، بلکہ ایک خاص نکتہ
آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ یعنی منبر کو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہتمام کی دلیل بنا دینا
چاہتے ہیں یعنی یہ کسی اور کا ذکر نہیں میرا ذکر ہے، لہذا میرے ذکر میں اہتمام کرنا
چاہیے۔ معلوم ہوا بولا تو منبر ہی پر جا رہا ہے مگر اب اس سے مراد منبر ہی نہیں ہے بلکہ
جب میرا ذکر کیا جائے تو اس میں اہتمام کیا جائے، گویا منبر کی دلالت اہتمام پر ہو رہی
ہے۔ یعنی ذکر مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء بالکل سادہ طریقے سے نہ کیا جائے، بلکہ اس میں
اہتمام ہونا چاہیے۔

اہتمام:۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ منبر منگوا کر، اہتمام کی دلیل دینی مقصود ہے
اور " اہتمام " ایک ایسا جامع لفظ ہے کہ اس میں تخت، کرسی، منبر، چادر، فرش اور فروش،
شامیانہ، گیٹ لائٹ، جھنڈیاں، اگربتی، عطر، تبرک اور لنگر یہ سب کے سب اسی میں
شامل ہیں، گویا اہتمام کے پیٹ میں یہ سب موجود ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسی
گہرائیوں اور بطون کو دیکھنے و سمجھنے کے لیے نورِ ایمان اور نگاہِ مومن درکار ہے۔ " پیاز " کا
ایک ہی چھلکا نہیں ہوتا چھلکے پر چھلکا ہوتا ہے، بس ایسے ہی بہت سے مسائل کے بطون
ہوتے ہیں جس میں تہہ پر تہہ ہوتی ہے۔ خزینہ میں خزانہ اور گنجینے میں گنجینہ ہوتا ہے۔

اہتمام، بظاہر ایک ہلکا پھلکا سا لفظ معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کے پھیلاؤ اور وسعتوں میں بے پناہ گہرائیاں ہیں۔ چنانچہ محفل میلاد شریف میں آرائش وزیبائش سے متعلق جس قدر بھی پھیلاؤ دیکھا جاتا ہے وہ سب کے سب اسی لفظ "اہتمام" کی کوکھ سے جنم لیے ہوئے ہیں۔ انہیں نہ تو کہیں اور جگہ ڈھونڈا گیا نہ اور کہیں سے لایا گیا۔

لہٰذا سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روزہ رکھنے کا مقصد امت کو روزہ ہی رکھوانا نہیں ہے، بلکہ سرکار دوشنبہ مبارکہ کو روزہ رکھ کر اس دن کی اہمیت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں گویا آج کے روز کوئی بھی ایسا جائز وشرعی کام کیا جائے کہ جسے لوگ دیکھ کر یہ دریافت کرتے ہوں کہ کل ایسا نہیں تھا، آج ایسا کیوں ہے؟

چنانچہ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جلوس اور جلسہ عید میلاد النبی کے گیٹ، اسٹیج، شامیانے اور ڈیکوریشن وغیرہ۔ یہ اسی سوال کی علامت اور نشانی ہے۔ انہیں سب کو دیکھ کر نہ جاننے والے جاننے والوں سے دریافت کرتے ہیں کہ آج یہ کیسا اہتمام ہو رہا ہے؟ اب ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ آج ہی تو پیغمبر اسلام کی پیدائش کا دن ہے۔ اب تم ہی بتاؤ، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو دوسری قوموں کو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ مسلمان کسی مردہ قوم کا نام ہے یا کسی زندہ قوم کا۔ اور اس سلسلہ میں ارشاد باری بھی ہے:۔

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ   اور اپنے رب کی نعمت کا اعلان وچرچا کرو۔

سرکار سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کون سی دوسری نعمت ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ رب کی دی ہوئی نعمتوں کو چھپایا نہیں جاتا، بلکہ اس کا اعلان اور چرچا کیا جاتا ہے۔ یہ جلوس عید میلاد النبی اور جلسہ عید میلاد النبی یہ دونوں اسی تحدیث نعمت اور اعلان واظہار کے حسین مناظر ومظاہر ہیں۔ جو خوش عقیدہ مسلمان کے جوش محبت اور وفور

عقیدت کی ایک تابناک وروشن دلیل ہے۔ یہ ہمارا ایک جمہوری حق ہے نہ تو اب سے پہلے کسی نے اس پر قدغن لگایا اور نہ ہی کسی نے پہرہ بٹھایا۔ ہم اس رسم سعید کو مناتے چلے آرہے ہیں اور اپنی حیات مستعار کے آخری لمحے تک، اگر خود نہ منا سکیں گے تو کم از کم دل زندہ میں یہ آرزو ضرور مچلتی رہے گی کہ جشن چراغاں کی دھوم دھام، عشق پروردہ آنکھیں دیکھتی رہیں۔

گو ہاتھوں میں نہیں جنبش آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روزہ رکھنے کا مقصد ہرگز ہرگز روزہ ہی رکھوانا نہیں ہے، بلکہ کسی بھی شرعی وجائز فعل سے اس دن کی حرمت وعزت کو برقرار رکھ کر اس کا اعلان وچرچا بھی مقصود ہے، تاکہ اس دن کی یاد باقی رہ جائے۔

حضرت اجب حضرت حسان کا ذکر آ ہی گیا ہے تو بر سبیل تذکرہ ان کے کمال عشق وبے لوث محبت کی دل جیتنے والی ادا ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت حسان ایک مقام پر فرماتے ہیں:۔

مَـا اِنْ مَّـدَحْـتُ مُـحَـمَّـدًا بِمَقَـالَتِيْ
لٰكِـنْ مَّـدَحْـتُ مَـقَـالَتِـيْ بِمُحَمَّدٍ

اے لوگو! تم کہیں یہ دھوکہ نہ کھانا کہ میری شاعری وشعروسخن نے رسول کردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام ومنصب اونچا کر دکھایا۔ معاذ اللہ حاشا وکلا! ایسا نہیں میری شاعری سے ان کا مقام بلند نہیں ہوا، بلکہ میری شاعری میں سرکار کا نام آجانے کی وجہ سے میرا کلام اونچا ہو گیا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!

قربان جایئے! یہ تھا صحابہ کرام کا زندہ جاوید عشق، عشق اور راہ محبت میں ایسی معتدل ومحتاط روش جو کہیں اور ڈھونڈے نہ مل سکے۔ کہاں ہیں آج کے نام نہاد دعویداران عشق ومحبت، اور کہاں ہیں شرک و بدعت کے کھوکھلے نعروں کے سہارے سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان واعتقاد پر دن دہاڑے ڈاکہ ڈالنے والے جو خود اپنے رسول کو زبان اردو پڑھانے کے مدعی ہیں۔

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

عنوان یہ چل رہا ہے! یادوں کو مٹایا نہیں جاتا، بلکہ یادوں کو برقرار رکھا جاتا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں تاریخ کی ایک اور سبق آموز کڑی ملاحظہ فرمایئے۔

برسی منانا:۔

غزوۂ احد تاریخ اسلام کا ایک بہت ہی اہم معرکہ ہے۔ مجھے اس کی تفصیل نہیں بتانی ہے، بلکہ اس کا پس منظر پیش کرنا ہے۔ فتح وکامرانی کے بعد جب شہدائے احد کی نعشوں کی تدفین عمل میں لائی گئی۔ اس کے ٹھیک ایک سال پورا ہونے کے بعد آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لاتے ہیں۔

اولاً تو ایک سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ اگر تشریف ہی لانا تھا تو ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ سال پورا ہونے کے دو ایک روز پہلے یا دو ایک روز بعد تشریف لاتے مگر ایسا نہیں ہے۔ ٹھیک اسی روز جس دن سال پورا ہو رہا ہے گویا آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے اپنی قوم کو یہ ذہن دینا چاہتے ہیں کہ قبروں پر آنا بھی جائز ہے اور برسی منانا بھی درست ہے۔

یعنی اس تشریف آوری کا مقصد یہ ہے کہ اگر یہاں نہ آیا جائے تو اعلائے

کلمۃ الحق کی خاطر شہدائے احد کے ایثار واخلاص، جانبازی وجواں مردی، حق گوئی و ایثار پسندی گویا تن من دھن لٹا دینے کے بعد جو روشن نقوش ہیں اندیشہ ہے کہ کہیں وہ مٹ نہ جائیں اور تاریخ کے ایسے زریں نقوش جس سے امت مسلمہ کو سبق حاصل ہوا اور اندھیرے میں اجالے کا کام دیں۔ انہیں مٹایا نہیں جاتا، بلکہ اگلی نسلوں کو زندہ رکھنے کی خاطر انہیں زندہ رکھا جاتا ہے اور آج ہمیں آپ سے یہی عرض کرنا ہے کہ یادوں کو مٹایا نہیں جاتا، بلکہ انہیں شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں پر خوش اسلوبی سے منایا جاتا ہے۔

سید عالم روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لاکر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ شہدائے اسلام جو اپنی اپنی قبروں میں میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ ان کے ساتھ للہیت وراست بازی اور ایثار وقربانی کی ایک بہت ہی اہم تاریخ وابستہ ہے۔ لہٰذا انہیں کسی نہ کسی بہانے یاد کیا جائے۔ انہیں ہرگز ہرگز نہ بھلایا جائے۔ یاد رہے کہ تاریخ ساز شخصیتوں کا مجاہدانہ کردار محض ایک مورخ کے نوک قلم ہی تک نہ محدود رہے کہ محض کتابوں کی سطروں میں انہیں پڑھا جائے، بلکہ ان کے آستانوں اور گنج شہیداں میں پہنچ کر خون کی ایک ایک چھینٹ اور لہو کی ایک ایک بوند سے ان کی داستان عظمت پوچھیئے! جہاں کے دیوار ودر اور ذرے ذرے کہہ رہے ہوں گے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

خدانخواستہ! شرک و بدعت کے ہتھکنڈوں کے تحت اگر آستانہ جات پر آمد ورفت بند کر دی گئی تو کم تعلیم یافتہ، عدیم الفرصت اور مصروف بکار حضرات جنہیں

تاریخی مطالعہ کی فرصت نہیں، جو آستانہ جات کی قدیم علامات ونشانات ہی سے ان کی تاریخ پڑھنا جانتے ہیں۔ آخران لوگوں میں مذہب اسلام کے لیے اخلاص وایثار کی اسپرٹ کہاں سے پیدا ہوسکے گی؟ ضرورت ہے ان کے مزارات پر آتے رہنے کی گویا:

تازہ خواہش داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

خواہ ان واقعات وقصص کو تاریخی کتابوں میں پڑھیے یا آستانوں پر پہنچ کر وہاں کے دیوار ودر اور بے زبان وخاموش ذروں سے پوچھیے۔ بہرحال! اسلام کی اہم شخصیتوں اور اسلام کے اہم واقعات کو بھلایا نہیں جاتا۔ بلکہ ان کی یادیں منا کر انہیں کلیجے سے لگایا جاتا ہے یہی ہمارا مدعا ہے۔

البتہ! بات واضح رہے کہ مراسم کی ادائیگی اور یادوں کے منانے میں اسلام نے جو خطوط کھینچے ہوں۔ ان سے متجاوز ہونے کی جسارت اور سعی بے جا نہ کی جائے، ورنہ کہیں نہ کہیں افراط وتفریط کا الزام آجائے گا اور اسلام کسی بھی حال میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔

ابھی میں نے عرض کیا تھا کہ آستانہ جات کی مختلف علامات ونشانیوں میں ماضی کی ایک مستقل تاریخ پنہاں ہے۔ اسے لفظی گورکھ دھندوں سے تعبیر نہ کیا جائے بلکہ اگر دیدۂ اعتبار ہو اور شعور وآگہی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا ہو تو آستانوں کی تاریخی عمارات اور اس کی نشانیوں کو دیکھ دیکھ کر مشاہدے کی روشنی میں اپنے اس معاملے کی توثیق کرتے جائیے جسے آپ نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہے۔ جب بات آہی گئی ہے تو آئیے چل پھر کر یقین واعتماد کی یہ دولت حاصل کی جائے۔

اجمیر کے نوادرات:۔

دیکھئے یہ اجمیر شریف میں درگاہ روڈ ہے، نیچی نگاہیں اٹھائیے۔ یہ سامنے درگاہ معلی ہے جس کا یہ بلند دروازہ، آپ کو معلوم ہے یہ بلند دروازہ نظام حیدرآباد دکن کی غلامی کی نشانی ہے۔ یہاں راجاؤں اور نوابوں سے گزارش نہیں کی جاتی کہ آپ دروازہ بنوادیں یا آپ بارہ دری بنوائیں یا آپ گیٹ ولنگر خانہ بنوادیں بلکہ اپنے اپنے وقت کا سلطان وشہنشاہ خود درخواست گزارتا ہے کہ ہمیں گیٹ بنانے یا ہمیں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔ اچھا ذرا اور آگے بڑھیے، یہ دیکھیے یہ جلال الدین اکبر کی چڑھائی ہوئی دیگ ہے جس میں بیک وقت سومن کا تبرک تیار ہوتا ہے۔ یہ وہ دوسری دیگ ہے جس میں اسی من دلیا پکائی جاسکتی ہے۔

یہ داہنے بازو پر آسمان بولتا گیٹ دیکھئے، یہ اکبری گیٹ ہے اور آگے بڑھیے یہ شاہجہانی مسجد ہے گویا جنت کا کوئی ٹکڑا خاک پر رکھ دیا گیا ہے، یہ جھالرہ ہے، یہ عالمگیری مسجد ہے، یہ اولیاء مسجد ہے، یہ ڈھائی دن کا جھونپڑا ہے، یہ وہ پتھر ہے کہ جب دشمنوں نے اوپر سے پھینکا تھا تو غریب نواز کے گھوڑے نے اپنے پاؤں پر روک لیا تھا، دیکھو! ابھی تک اس گھوڑے کی ٹاپ کے نشانات ہیں، یہ وہ پتھر ہے جسے غریب نواز نے اپنے چابک سے روک دیا تھا۔ دیکھو! ابھی تک اس پر چابک کا نشان ہے۔ ہاں! ہاں! یہ وہی اناساگر ہے دشمنوں نے جس کا پانی سلطان ہند پر بند کر دیا تھا اور غریب نواز نے اس کا سارا پانی اپنے معتقد کے ذریعے چھاگل میں بھروالیا تھا۔ دیکھو وہ مدار ٹیکری ہے، وہ تارا گڑھ ہے، وہ غریب نواز کا چلہ ہے، غرضیکہ پورا اجمیر تاریخی نشانیوں سے گھرا ہوا ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ جن واقعات کو تاریخ کے صفحات پر پڑھا جا سکتا ہے۔
خود انہیں ماتھے کی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھا جا سکتا؟

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

مجھے کہنا یہ ہے کہ اگر آستانہ جات یا دیگر تاریخی مقامات کے آثار و علائم مٹا دیئے جائیں تو مستقبل میں کسی بھی وقت ان واقعات کو جھٹلایا جا سکتا ہے اور ان کی تکذیب کی جا سکتی ہے، ایسے تاریخی دستاویز تو طلسم ہوشربا یا الف لیلیٰ کی مفروضہ داستان اور من گھڑت کہانیاں تصور کی جائیں گی۔

دیکھئے یہ کچھوچھہ مقدسہ ہے۔ یہاں اللہ کا وہ محبوب بندہ آرام فرما ہے جس نے سمنان کی سلطنت اور تخت و تاج اور شاہی کر و فر کو پاؤں کی ٹھوکر مار کر درویشی اختیار کی اور آج کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔

دیکھئے یہ آستانے کے مشرقی جانب ایک تھوڑا سا راستہ چھوڑ کر ہر طرف پانی سے گھرا ہوا ہے۔ جسے "نیر" کہا جاتا ہے اور پورے پانی پر "سوار" کی ہری گھاس مخمل کی طرح بچھی ہوئی ہے جو بطور شفا استعمال کی جاتی ہے۔ غرضیکہ اس کے ساتھ ایک مستقل تاریخ وابستہ ہے۔

یہ بہرائچ شریف ہے جہاں سیدی سالار مسعود غازی آرام فرما ہیں۔ قدم قدم پر ماضی کی نشانیاں دیکھتے جاؤ اور عہد رفتہ کی یادوں سے اپنے اسلاف کی پاکیزہ ارواح کو بلندی درجات کی دعائیں دیتے جاؤ۔ یہ وہ آستانہ ہے جہاں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم لاکھوں کی تعداد میں حاضر ہوتے ہیں، بلکہ میلہ میں کئی لاکھ غیر مسلموں

کی ہما ہمی رہتی ہے۔ جب سخن گسترانہ بات آ ہی گئی ہے تو دل یہ چاہتا ہے کہ صرف چند منٹ کے لیے اپنے معینہ عنوان سے ہٹ کر آج کے ایک ابھرے ہوئے مسئلہ کی وضاحت کر دی جائے، چونکہ بعض لوگوں نے آج قبر پر حاضری کو ہماری تضحیک اور اپنے مشن کی تشہیر کا ہتھکنڈا بنا رکھا ہے، لہٰذا معذرت کے ساتھ میں آپ سے عرض کروں گا کہ اس عنوان سے متعلق چند گوشے سماعت فرمایئے جب وہ "فرقہ ثانیہ" قبر ہی کے پیچھے پڑا ہے تو ہم بھی چاہتے ہیں کہ آج اسے سیدھے قبرستان ہی تک پہنچا دیا جائے جہاں سے پھر وہ واپس نہ آ سکے۔

قبور پر حاضری:۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ قبر پر جانا شرک و بدعت ہے۔ اب اس سلسلے میں آپ کو ایک بات یاد دلانا چاہتا ہوں کہ صاحب خصائص کبریٰ، حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ:۔

ایک بار آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی راہ سے گزر رہے تھے، قریب ہی میں والدہ ماجدہ کی قبر تھی۔ سرکار نے ارادہ فرمایا کہ والدہ ماجدہ کی قبر پر حاضری دی جائے۔ جیسے ہی دل میں خیال گزرا حضرت جبریل امین حاضر دربار ہوئے، عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ چلنا چاہیں تو تشریف لے چلیں۔ چنانچہ آپ والدہ کریمہ کی قبر پاک پر تشریف لائے، تشریف لانے کے بعد اپنے ہاتھوں کو جیسے ہی اٹھانا چاہا جبریل پھر حاضر ہوئے۔ عرض کیا، یا رسول اللہ! ہاتھ نہ اٹھایئے۔

اس سے ایک گمراہ اور بھی گمراہی کے دلدل میں پھنس گیا اور اس نے معاذ اللہ یہ کہنا شروع کیا کہ آپ کی والدہ قابل بخشائش ہی نہیں، اس لیے ہاتھ اٹھانے سے روک

دیا۔ گویا اس بدبخت نے اپنی ماں پر مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ماں کو قیاس کیا جیسا کہ اصول ہے "اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ" حالانکہ یہ بات نہ تھی۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا محبت و عقیدت بھرا ہوا جواب عطا فرمایا۔ فرماتے ہیں، اسلام کا ابھی ابتدائی دور تھا اگر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھانے دیا جاتا تو ہوسکتا تھا کہ دشمنانِ مصطفیٰ طعنہ دیتے کہ نبی کی والدہ اس وقت بخشی گئیں جب نبی نے اپنا دست کرم اٹھایا مگر قدرت کو یہ کب گوارا ہو کہ کوئی دریدہ دہن گستاخ و بے ادب، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل دکھائے اور ان کی دل آزاری کرے۔

بات یہ نہ تھی بلکہ اصل بات وہ ہے جسے علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آج سرکار نے ہاتھ اٹھایا تو اندیشہ تھا کہ کل کہیں لوگ یہ نہ کہنا شروع کر دیں کہ نبی کی والدہ اس وقت بخشی گئیں جب نبی نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔

مقصد یہ ہے کہ یارسول اللہ! اب آپ اس کی تکلیف نہ اٹھائیں، آپ کا نور جن جن اصلاب اور ارحام میں سے گزرتا گیا، سب کو نور بناتا گیا۔

ایک واقعہ:۔

ایک بار ایک صحابی نے اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ دسترخوان صاف کر ڈالو۔ چنانچہ خادمہ اسے لے کر آگ کے تنور تک پہنچی اور ایک گوشہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر باقی سب کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیا۔ اور چند لمحے بعد اس میں سے ایک کپڑے کو نکالا تو وہ دھلا دھلایا بالکل صاف و شفاف نکلا۔ آقا نے خادمہ سے کہا میں نے تم کو دھونے کے لیے کہا تھا اور تو نے اس کو شعلے میں ڈال دیا۔ آگ کا کام جلانا

ہے۔ خادمہ نے عرض کیا۔ اتنا تو میں بھی جانتی ہوں کہ پانی کا کام دھونا اور آگ کا کام جلانا ہے۔ مگر میں نے ایک روز ایسا دیکھا تھا کہ میرے سرکار نے اسی دسترخوان سے اپنی انگلیاں صاف فرمائی تھیں تو میرا ایمان اور عقیدہ بول رہا تھا کہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلی پڑ گئی، اس پر آگ اثر نہیں کرسکتی، چنانچہ آج اس کا مشاہدہ بھی ہوگیا اور شبہات بھی رفع ہوگئے یعنی دسترخوان تو نہ جلا، البتہ وہ شبہات جل کر خاکستر ہوگئے۔

تو اب مجھے بھی کہہ لینے دیجئے کہ جس چیز پر آقائے دو جہاں کی انگلیاں پڑ جائیں اس پر آگ اثر نہیں کرسکتی تو بھلا جس شکم مادر میں نو مہینے مسلسل نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی جلوہ ریزی و ضیا پاشی کی ہو اس پر آگ کیوں کر اثر کرسکتی ہے۔ "فالحمد للہ علی ذالک"

قبر پر حاضری:۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر پر دیکھا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہدائے احد کی قبر پر دیکھا۔

سوال:۔ اچھا تو آپ لوگ یہ بتایئے کہ نبی اس دنیا میں مبعوث کیوں کیا جاتا ہے؟
شرک پھیلانے کے لیے یا مٹانے کے لیے؟

جواب: شرک مٹانے کے لیے۔

لہذا آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ اگر قبروں پر جانا شرک ہوتا تو نبی جو شرک مٹانے کے لیے آیا تھا وہ بھلا قبروں پر کیسے جاسکتا تھا۔

اگر قبروں پر جانا شرک ہوتا تو منصب رسالت ونبوت کے خلاف ہے کہ قبر پر نبی کو دیکھا جائے۔ معلوم ہوا کہ قبر والوں کو بھلایا نہیں جاتا بلکہ ان کو یاد رکھا جاتا ہے جو لوگ قبروں کے مخالف ہیں مریں گے تو بہر حال! مگر ان کی قبروں پر آدمیوں کے بجائے کچھ اور نظر آئیں گے جب بات آ ہی گئی ہے تو دو ایک واقعات اور سماعت فرمالیں۔

آفتاب نبوت کے غروب ہونے کے بعد لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر دیکھا پھر جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سرکار کے آغوش میں سپرد لحد کیا گیا۔ اب حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دونوں قبروں پر دیکھا گیا۔

اب عہد فاروقی ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد اب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تینوں قبروں پر حاضری دیتے دیکھا۔ البتہ فرق اتنا ہے کہ خلیفہ دوم حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن ہو جانے کے بعد اب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چہرے پر نقاب ڈال لیا تھا۔

لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: سب سے پہلے میرے شوہر کی قبر تھی۔ ان سے پردہ کیسا؟ پھر اس کے بعد میرے والد کی قبر تھی، ان سے بھی پردہ کیسا؟ البتہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے غیر محرم سے میں نے پردہ کیا۔

صاحب مزار دیکھتے، سنتے اور مدد کرتے ہیں:۔

ایک نکتہ:

اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اگر دیکھ نہیں رہے تو ان سے پردہ کیسا؟ بس سمجھ میں آیا جب سرکار کے غلام اپنی قبروں میں زندہ رہ سکتے ہیں تو پھر نبی کی حیات پر مناظرہ ومباحثہ کیسا؟

معلوم ہوا کہ دنیا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی قبر پر دیکھا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی۔ سلسلہ رفاعیہ کے مورث اعلیٰ حضرت سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قبر رسول پر حاضری دی۔ صحابہ کرام نے حاضری دی۔ گویا ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قبر پر دیکھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قبر رسول پر دیکھا۔ ایسے ہی حضرت سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب کسی مسئلہ میں مشکل درپیش آتی تو آپ امام الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دیتے اور الجھے ہوئے مسئلہ میں صاحب مزار سے استمداد واستعانت چاہتے۔

چنانچہ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہنا ہے کہ جو مسئلہ گھر میں حل نہ ہوتا وہ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اطہر پر ان کے روحانی فیوض وبرکات سے آن کی آن میں حل ہو جاتا۔ گویا ہم نے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر دیکھا اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ قبر پر جانا بھی درست ہے اور ان سے استمداد واستعانت بھی جائز ہے اور یہ حقیقت بھی بے نقاب ہوگئی کہ صاحب مزار دیکھتے ہیں، سنتے ہیں اور مدد بھی فرماتے ہیں۔

کیا ہوگیا آج کے غیر مقلدین کو کہ آمین بالجہر اور رفع یدین جیسے مسائل میں تو حضرت سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد ہیں اور جب قبر پر جانے کی باری آتی ہے تو گنبد خضریٰ کو صنم اکبر کہا جاتا ہے۔ بہرحال! ہم نے مالک ہندوستان خواجہ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر دیکھا۔ ہندوستان کے اکابر اولیاء اللہ نے اجمیر شریف حاضری دی۔ سلاطین مغلیہ میں اکبر و جہانگیر اور حضرت عالمگیر نے حاضری دے کر اکتساب فیض کیا۔

اگر قبروں پر جانے والے یہ سب کے سب مشرک قرار پائیں تو اب اس روئے زمین پر مسلمان کہاں ڈھونڈا جائے؟

ضمانت:۔

بہرحال ہم نے قبر پر جانے والوں کی ایک دستاویز تیار کردی اگر آپ لوگ اس کی اجازت دیں تو اب اس دستاویز پر ایک آخری مہر لگا دی جائے، تاکہ قانونی کارروائی بالکل پختہ ہوجائے۔

آپ میں سے بہت سے لوگ حاجی ہوں گے آپ میں سے کوئی صاحب یہ بتائیں کہ کیا حج کی مقبولیت کی دلیل لے کر آپ آئے ہوئے ہیں؟ کوئی نہیں۔ کیا معلوم ہوا؟ تین ساڑھے تین مہینے ادائیگی حج کے لیے مکہ مکرمہ میں رہے لیکن قبولیت نہ مل سکی۔ مگر میرے آقا جسے رب نے رحمت تمام بنا کر بھیجا ان کا کرم، ان کی شفاعت و عنایت دیکھو۔ وہ فرماتے ہیں:۔

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ

جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔

اب تم لوگ بتاؤ کہ قبر پر بلایا جا رہا ہے یا قبر سے بھگایا جا رہا ہے اور صرف بلایا ہی نہیں جا رہا، بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر میں قبر کی حاضری اس قدر محبوب و پسندیدہ ہے کہ شفاعت کی لالچ دے کر بلایا جا رہا ہے، جس طرح بچہ کبھی والدین کے قریب نہیں آتا۔ بلانے سے اور گریز کرتا ہے تو اسے بسکٹ اور ٹافی کا لالچ دے کر بلایا جاتا ہے۔ کچھ اس طرح کا نقشہ یہاں بھی ہے۔ اگر ویسے آنا نہیں چاہتے تو شفاعت کی لالچ میں آ و۔ میں تم کو یہ ضمانت دے کر رخصت کروں گا کہ کل میں تمہاری شفاعت کروں گا۔ اللہ اکبر!

یہ سب قبر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری کا صلہ، اگر تم مجھے نہ ڈھونڈ سکو گے تو میں ڈھونڈ لوں گا۔ حاجی ایک زخمی دل کے ساتھ واپس ہو رہا تھا، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بشارت دے کر اس کے زخموں پر نمک نہیں چھڑکا، بلکہ مرہم رکھ دیا، اس کے باوجود بھی عقل کا اندھا کہتا ہے کہ قبروں پر نہیں جانا چاہیے۔ میری ترتیب دی ہوئی دستاویز کی یہ ایک ایسی مہر ہے جس نے اباطیل کی تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔

عنوان کی ایک ذیلی گفتگو میں آپ پر اور واضح ہوگیا کہ قبروں پر جانا بھی درست ہے اور ان سے استمداد و استعانت بھی جائز ہے۔ اس مضمون کی مزید وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

یادگاریں:۔

اب آیئے اپنے اصل موضوع سے وابستہ ہوجایئے یعنی یادوں کو مٹایا نہیں جاتا ہے، بلکہ اسے برقرار رکھا جاتا ہے۔ جس کی متعدد مثالیں آپ کو فریضہ حج میں مل جائیں گی مثلاً ادائیگی حج میں حاجی "سعی بین الصفا والمروہ" کرتا ہے۔ صفا و مروہ یہ دو پہاڑیاں ہیں جس پر دوڑ کر آدمی سات پھیرے لگاتا ہے۔ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا پر۔

اب اگر کوئی اس سے یہ پوچھے کہ حاجی صاحب! حج اگر پہاڑیوں پر دوڑنے کا نام ہے تو ہندوستان میں پہاڑ اور پہاڑیوں کی کیا کمی تھی؟ کوہ ہمالیہ کھڑا ہے اس پر دوڑ لیتے۔

تو حاجی بڑی سنجیدگی سے جواب دے گا کہ ایسا نہیں ہے۔ یہ وہ پہاڑی ہے جس پر حضرت سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوڑ لگا چکی ہیں۔ سائل پھر سوال کرتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کیوں دوڑی تھیں؟ حاجی صاحب جواب دیں گے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی مقام پر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ گئے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان شدت پیاس سے باہر نکل آئی۔ نہ کہیں کنواں تھا، نہ چشمہ، نہ ندی تھی نہ نالا، نہ تالاب تھا نہ دریا۔ حضرت ہاجرہ سے شاہزادے کا یہ حال دیکھا نہ گیا، تو حضرت ہاجرہ نے پانی کی لالچ میں دوڑ لگائی، شاید کہیں پانی کی چند بوند مل جائے یا کسی چشمے یا کنویں کا سراغ لگ جائے۔

سائل پھر سوال کرتا ہے کہ حاجی صاحب، حضرت سیدہ ہاجرہ کا دوڑنا تو سمجھ میں آگیا کہ وہ پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں مگر آپ کو پانی کی کیا کمی؟ آج تو مکہ جل تھل ہوگیا ہے۔ آپ کیوں پریشان ہیں......؟

حاجی صاحب کا جواب یہی ہوگا کہ میں پانی کی تلاش میں نہیں دوڑ رہا ہوں بلکہ دوڑ لگا کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دوڑ لگانے کی یاد تازہ کررہا ہوں۔ یہ وہی پہاڑی ہے جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک محبوب بندی دوڑ چکی ہیں۔ اگر ہم نہ دوڑیں گے تو ہاجرہ کی یہ ادا مٹ جائے گی اور اسلام یہ چاہتا ہے کہ اچھے اور پیاروں کی ادائیں مٹائی نہ جائیں، بلکہ ان کو زندہ رکھا جائے اور یہی یادان کی تاریخ کو دہراتی رہے گی۔

معلوم ہوا کہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یاد کو مٹایا نہیں گیا، بلکہ زندہ رکھا گیا اور حد تو یہ ہے کہ حج جیسے فریضہ کے ارکان میں شامل کرلیا گیا۔ اب اس سے منکرین کو اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل چاہیے؟

اور آگے بڑھیے، ارکان حج میں یہ بھی ہے کہ حاجی کو طواف کعبہ بھی کرنا ہے طواف کعبہ میں سات پھیرے لگانے ہیں۔ حجر اسود کو بوسہ دے کر پھر وہیں آنا ہے، پھر وہیں سے چل کر وہیں آئے گا۔

اس طرح اس کو سات چکر لگانا ہے لیکن اس کے سات پھیروں میں تین بار "رمل" کرنا ہے یعنی وہ سینہ تان کر اکڑ کر چلے گا چونکہ آقائے کائنات جب صحابہ کرام کو لے کر طواف کعبہ کی غرض سے تشریف لائے تھے تو صحابہ اپنی علالت کے باعث بہت کمزور اور نحیف نظر آرہے تھے اس پر کفار مکہ نے بطور طعن کہا کہ ایسے کمزور و نڈھال لوگ کیا طواف کعبہ کریں گے۔ صحابہ کرام نے یہ بات سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچائی کہ کفار مکہ ایسا کہہ رہے ہیں۔ اس پر آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ جب طواف کرو تو اس میں "رمل" کرو تا کہ ان پر تمہاری ہیبت کا سکہ جم جائے۔

چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی "رمل" فرمایا اور صحابہ کرام نے بھی۔ اب آج حاجی سے پوچھا جائے کہ تم "رمل" کیوں کرتے ہو تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ سرکار و صحابہ کی "رمل" کی وجہ تو وہ تھی جسے ذکر کیا گیا لیکن ہمارے "رمل" کی وجہ یہ ہے کہ سرکار کی ادا باقی رہ جائے۔

صدیاں بیت گئیں لیکن اس ادا کو مٹنے نہیں دیا گیا۔ اس کے شواہد ملتے جا رہے ہیں کہ یادیں مٹائی نہ جائیں بلکہ ان کو زندہ رکھا جائے، انہیں کیا زندہ رکھنا ہے، بلکہ خود اس میں زندگی کا راز پنہاں ہے۔ گویا تم اگر جینے کی طرح جینا چاہتے ہو تو ان یادوں کو مٹاؤ نہیں بلکہ ان کو زندہ رکھو۔

یادگاریں مٹاؤ نہیں قائم رکھو:۔

عہد رسالت کی ایک اور بات آپ کو یاد دلائیں۔ ایک بار آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں بچوں کی ایک ٹولی گزری جو اذان کی نقل کر رہے تھے۔ کوئی "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةُ" کہہ رہا ہے کوئی "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہہ رہا ہے۔ ان بچوں میں ایک صاحبزادے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھی تھے ان کی آواز بہت پیاری تھی۔

آقائے دو عالم نے اشارہ کر کے ابو درداء کے صاحبزادے کو بلایا۔ ان کی پیشانی کے اگلے بالوں پر دست شفقت پھیرا، دعائیں دیں اور رخصت کر دیا۔ شہزادے نے گھر جا کر اس کا تذکرہ اپنی ماں سے کیا کہ آج ہم ساتھیوں کے ساتھ اذان کی نقل کرتے ہوئے گزر رہے تھے کہ اسی اثناء میں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے قریب سے گزرے۔ میرے آقا کی نگاہ انتخاب کا کیا کہنا بس مجھ کو اپنے قریب بلایا۔ میری پیشانی کے اگلے بالوں پر اپنا دست کرم رکھا اور دعائیں دے کر رخصت فرمایا............ وہ صحابیہ ماں سن کر جھوم گئیں اور فرمایا: بیٹے! زندگی میں خواہ کتنی ہی بار بال منڈواؤ یا ترشواؤ مگر خبردار! خبردار! ان بالوں کو نہ منڈوانا جن پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پڑ گئے ہیں۔

ان کو بطور تبرک اور یادگار چھوڑ دو، تا کہ اس بات کی نشانی رہے کہ یہ وہ بال ہیں جس پر آقائے دو جہاں نے دست شفقت پھیرا ہے۔ اس کے توسل سے خدا سے دعائیں مانگی جائیں۔

غور فرمایئے! اس عہد کا عقیدہ تھا کہ یادگاروں کو مٹایا نہ جائے، بلکہ ان کو باقی رکھا جائے۔ واضح رہے کہ جن بالوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیاں پڑ جائیں تو ان بالوں کو نہیں مٹایا جا سکتا تو جس دن آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس خاک دان گیتی کو نوازا جو آپ کا یوم ولادت ہے بھلا عقیدت کیش اور خوش عقیدہ مسلمان اس دن کو مٹتا کیسے برداشت کر لے گا۔

وہ اسلامی نقطۂ فکر کو خوب اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے کہ اسلام کا یہ دیا ہوا ذہن و مزاج ہے کہ تاریخی دنوں کو مٹایا نہیں جاتا، بلکہ انہیں زندہ رکھا جاتا ہے۔ اسی میں ہماری قومی زندگی کا راز مضمر ہے اور کوئی بھی زندہ و بیدار مغز قوم اپنی سنہری تاریخ کا چہرہ مسخ ہوتے برداشت نہ کرے گی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آج اگر کوئی مسلمان اپنے اسلاف کی یادیں مناتا ہے تو یہ کوئی مفروضہ یا اختراع محض نہیں، بلکہ یادوں کا منانا یہ ایک ایسی زندہ جاوید حقیقت ہے جسے اسلام نے ہمیشہ کے لیے اپنے کلیجہ سے لگا رکھا ہے۔ اختتام گفتگو پر ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمایئے۔

بندہ نواز:۔

اکابر سلسلہ چشتیہ میں آپ نے سلطان چراغ الدین دہلوی اور حضرت سید بندہ نواز گیسو دراز رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام نامی سنا ہوگا۔ حضرت سلطان نصیر الدین چراغ دہلوی، دہلی میں آرام فرما ہیں اور بندہ نواز قطب دکن کی حیثیت سے گلبرکہ شریف میں روحانی فیوض و برکات لٹا رہے ہیں۔ جہاں پر صبح و شام آنے جانے والے زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے انہیں گیسو دراز کیوں کہا جاتا ہے؟

ایک بار بندہ نواز بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی طرف سے آپ کے پیر و مرشد حضرت سلطان چراغ دہلوی گھوڑے کی سواری سے گزرے۔ حضرت بندہ نواز دیکھتے ہی مرشد برحق کی جانب لپکے اور بڑھے اور آ کر زانوئے مبارک کا بوسہ دیا۔ پیر نے فرمایا اور جھک کر۔ چنانچہ دوبارہ جھک کر تلوے کو چوما۔ فرمایا اور جھک کر، پھر گھوڑے کی رکاب کا بوسہ دیا۔ فرمایا اور جھک کر، پھر گھوڑے کی سم یعنی ٹاپ کو چوما۔ ہر بار کے جھکنے میں پیر نے نہ جانے کتنے مراتب طے کرا دیے اور کتنے درجات کی بلندی عطا فرمائی۔ چنانچہ چوتھی بار سم کو بوسہ دینے کے لیے بندہ نواز جھکے تو رکاب میں بال الجھ گیا حتیٰ کہ سم کو بوسہ دینے کے لیے جھکتے چلے گئے اور بال بڑھتا چلا گیا، چونکہ مرشد کی اطاعت میں یہ بال بڑھے تھے، لہٰذا بطور یادگار اتنے بالوں کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا، اسی لیے ان کو گیسو دراز کہا جاتا ہے۔

ان تمام واقعات سے پتہ چلا کہ بزرگوں، اسلاف اور تاریخ ساز ہستیوں کی یادوں کو مٹایا نہیں جاتا، بلکہ انہیں برقرار رکھا جاتا ہے اور یہی ہمارا مضمون ہے۔

اب آیئے! ایک پتے کی بات بتا دیں۔ ایک یادان لوگوں کی بھی ہے اور وہ ہے "رمی جمار"۔ ارکان حج میں ایک رکن یہ بھی ہے کہ شیطان کو کنکری ماری جاتی ہے۔ رمی کے معنی پھینکنے کے ہیں۔ جمار کے معنی "کنکری" اس لیے اس کو رمی جمار کہتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شیطان سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو بہکانے جا رہا تھا۔ جب خدا کے حکم سے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے نور نگاہ حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کی غرض سے چلے تو شیطان بھی پیچھے لگ گیا تھا۔ اس نے حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے طرح طرح کے سوالات کیے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس کے جوابات مرحمت فرمائے۔ آخر شیطان نے ترکش کا آخری تیر پھینکا اور کہا کہ تمہارا باپ تمہیں ذبح کرنے کی غرض سے لیے جا رہا ہے۔ اس نے سمجھا تھا کہ جان تو سب ہی کو پیاری ہوتی ہے۔ یہ سنتے ہی اسماعیل کا قدم ڈگمگا جائے گا مگر نبی زادے نے برجستہ جواب دیا۔ موت برحق ہے مگر اس وقت کتنی پیاری ہوگی موت کہ بیٹا باپ کے ہاتھوں ذبح کیا جائے۔ بیٹا دم توڑ رہا ہو اور باپ کا چہرہ آنکھوں کے سامنے ہو۔ شیطان اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور مایوس ہو گیا اور سوچا یہاں کوئی جادو کام نہیں کر سکے گا۔

چنانچہ اسلام نے حاجیوں پر لازم قرار دے دیا کہ وہ یہاں آ کر رمی جمار کریں یعنی شیطان کو کنکری ماریں وہاں شیطان کا پتلا نہیں ہے۔ یہ رکن صرف اس لیے ادا کیا جاتا ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کی یاد باقی رہ جائے۔ مگر حیرت ہے کہ آج تک ہمارے حریف نے اس کے خلاف سعودی عربیہ سے کوئی احتجاج نہیں کیا کہ صدیوں سے ہمارے لکڑ دادا پر پتھراؤ ہو رہا ہے، اب

توان پر رحم کیا جائے۔ سر پر کوئی بال نہیں رہ گیا ہوگا جب آپ کے عہد میں بھی ایسا نہ ہوسکا تو پھر کبھی نہیں ہوگا۔ وہ تو آپ کے بھی مائی باپ ہیں۔

اس کا فلسفہ آپ جانتے ہیں کہ ان کے کان پر کیوں جوں تک نہیں رینگتی۔ محض اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اہلسنّت کی تو بہت سی یادیں ہیں۔ جب دیکھو غوث پاک کی یاد ہے، خواجہ صاحب کی یاد ہے، امام حسین کی یاد ہے، حضرت اویس قرنی کی یاد ہے۔ امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی یاد ہے۔ مگر ہماری تو بس ایک یہی یاد ہے، اگر یہ بھی مٹ گئی تو پھر کہیں کے نہ رہیں گے۔

معلوم ہوا جو جیسا ہوتا ہے اس کی یاد بھی ویسے ہی منائی جاتی ہے۔ غوث و خواجہ محبوب خدا ہیں۔ لہٰذا ان کی فاتحہ دلائی جاتی ہے۔ لوگ ان کے نام کا تبرک کھاتے ہیں۔ بریانی، زردہ، دلیا، کھچڑا، حلوہ وغیرہ مگر شیطان دشمن خدا ہے تو اس پر پتھراؤ کیا جاتا ہے تا کہ اسی سے سمجھ میں آ جائے کہ کس جرم کی سزا مل رہی ہے۔

ایک نکتہ :۔

ضمنی طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر آ گیا تھا کہ شیطان نے بہکانا چاہا مگر ان کے قدم میں لغزش و ڈگمگاہٹ نہ آئی۔ وہ جادۂ استقامت پر علی حالہ باقی رہے۔ آپ غور فرمائیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام میں یہ شجاعت و دلیری یہ توانائی و بہادری کہاں سے آئی؟ مجھے کہہ لینے دیجئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس نور کے امین ہیں جو کبھی ابراہیم علیہ السلام کے صلب میں تھا۔ جس نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو نارِ نمرود سے بچایا تھا۔ وہ انگارے ان پر انگارے نہ رہ گئے، بلکہ پھول سے بھی

زیادہ نرم و نازک اور برف سے کہیں زیادہ ٹھنڈے ثابت ہوئے۔ یہ سب نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدولت ہے، لیکن اب حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام اس نور کے امین بن گئے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اس حقیقت کو جانتے تھے کہ اگر میں ذبح کردیا گیا تو یہ تنہا میرا ذبح نہ ہوگا بلکہ آسمان کے ستارے جھڑ جائیں گے، سمندر خشک ہو جائے گا، پہاڑ روئی کا گالا اور آسمان ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ اس لیے کہ میں تو اس نور کا امین ہوں کہ یہ کائنات جس کے لیے بنائی گئی ہے اور جس کے صدقے میں بنائی گئی ہے۔ ابھی تو اس کا ظہور ہوا ہی نہیں، لہٰذا وہ ذبح میرا تنہا نہ ہوگا، بلکہ کائنات تہ و بالا ہو جائے گی اور قیامت سے پہلے ایک اور قیامت آ جائے گی۔

لہٰذا ان کے لیے طمانیت و سکون اسی نور پاک کا بخشا ہوا ہے جسے قدرت نے انہیں ودیعت کردیا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک

ان متعدد مثالوں میں آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ اسلام یادوں کو مٹانا نہیں چاہتا بلکہ ان کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اب مجھے ایک بات بتایئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح کہا جاتا ہے تو کیا سچ مچ وہ ذبح کردیئے گئے تھے۔ اسلامی گھرانے کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح نہیں ہوئے بلکہ ان کی جگہ رب تبارک و تعالیٰ نے ایک جانور بھیج دیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی چھری چل رہی تھی، آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ خدا بندوں کی نیت پر مطلع ہے۔ ہم کام دیکھ لیں تو حکم لگائیں۔ مگر خدا بندوں کی نیت ان سے بھی زیادہ جانتا ہے جتنا خود بندہ نہیں جانتا۔ چنانچہ رب نے اس قربانی کو منظور کرلیا

کہ باپ بیٹے یعنی خلیل وذبیح دونوں کے دونوں اپنے ارادے میں پکے اور سچے ہیں۔

بھائیو! مگر یہ تو ایک کھلی حقیقت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح نہیں ہوئے بلکہ جانور ذبح ہوا چونکہ وہ جانور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض ذبح ہوا تھا، لہٰذا اس کے ذبح کی نسبت خود حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف کر دی گئی۔ اس طرح کا استعمال تو ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا ہے۔ مثلاً ایک باپ اپنے بیٹے کی موت پر کہتا ہے، ارے میں خود مر گیا، وہ واقعتاً مرا نہیں گیا، بطور مجاز بول رہا ہے۔

اب اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ حضرت عیدالاضحیٰ اور عید قربان کیا ہے تو اب اس کا مشترکہ جواب ہوگا کہ اس مقدس و پاکیزہ تہوار میں ہم لوگ اپنے اللہ تبارک و تعالیٰ کے برگزیدہ و مقبول نبی حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کی یاد مناتے ہیں، تاکہ اللہ کی راہ میں نہ صرف مال خرچ کرنے کا ہی جذبہ پیدا ہو بلکہ جان تک دینے کا حوصلہ زندہ وسلامت رہے۔

اگر یہ یادیں ہماری اسلامی زندگی سے نکال دی جائیں تو ہماری زندگی مفلوج و معطل ہو کر رہ جائے۔ اسی لیے تو اسلام یادوں کو مٹانا نہیں چاہتا بلکہ اسے زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ ذہن کی کشادگی، روح کی بالیدگی، اعمال میں تقویٰ، نگاہ کی بلندی، بازوؤں میں قوت، احساس کی برتری، فکر کی توانائی، حوصلے کی بلندی، غرور سے نفرت، تواضع سے محبت، دنیا سے بے رغبتی، دین سے وابستگی۔ غرض یہ کہ یہ ساری دولتیں انہی یادوں کے کشکول میں اکھٹی ہیں، یادیں مناتے جاؤ اور تہی دامنی دور ہوتی جائے۔ کچھ خواجہ کے در سے لو۔ کچھ شہنشاہ بغداد سے، کچھ کلیر سے تو کچھ کربلا سے، کچھ مارہرہ سے، تو کچھ بریلی سے۔ بہر حال! جب تک ان کی یادیں مناتے رہو گے زندگی

سنورتی اور نکھرتی رہے گی اور جب ان سے روگردانی کرو گے تو گویا کولہو کے بیل بن جاؤ گے یا کچھ اور۔ دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔

ہاں! تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر پوچھا جائے کہ عیدالاضحیٰ، عید قربان کیا ہے؟ تو آپ یہی جواب دیں گے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی یاد ہے۔ اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح نہیں ہوئے مگر اسلام نے ان کی اس قربانی کو اتنی اہمیت دی کہ مستقلاً ایک تہوار بنا دیا، تاکہ سال بہ سال ہم ان کی یادیں مناتے رہیں جس سے رگوں میں نئی حرارت اور نئی زندگی کے آثار نمودار ہوں۔

لہٰذا اب مجھے کہنے دیجئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح نہیں ہوئے مگر پھر بھی اسلام ان کی یاد مناتا ہے یاللعجب! کہ کربلا میں جانور نہیں ذبح کیے گئے، بلکہ نواسہ رسول، جگر گوشہ بتول، علی اصغر، علی اکبر، قاسم و عون و محمد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی لاشیں کربلا میں تڑپیں تو کیا اب بھی آپ مجھے نہ کہنے دیں گے کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شہزادے کی یاد منا سکتا ہے وہ نواسہ رسول کی یاد منانے پر کیوں پیچ و تاب کھا سکتا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شہزادے کی یاد منائی جا سکتی ہے تو بدرجہ اولیٰ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسوں کی بھی یاد منائی جا سکتی ہے۔ وہ کیسے شقی القلب، کج فکر و کج فہم ہیں جو یاد حسین و یوم حسین پر بندش لگانا چاہتے ہیں۔

اے عقل کے دشمنو! اگر ان مراسم میں عوام کے افکار و خیالات اور اعمال و کردار میں کچھ خامیاں آ گئی ہوں تو ان کا ازالہ کرو۔ ان کے مٹانے کی کوشش کرو لیکن اصل تاریخ کربلا پر تو دھول مت جھونکو۔ ان پر ایسی تیشہ کاری نہ کرو کہ اصل واقعات کی اصل صورتیں مسخ ہو جائیں۔

اب تمہاری جرات بے تاب اپنی حدود سے اس قدر تجاوز کر گئی ہیں کہ یزید کو برحق اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ناحق کہنے لگے اور یزید کو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہنے لگے (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔ ٹھیک ہے اگر تمہاری نظر میں یزید برحق تھا تو قیامت کے بعد وہیں رہنا جہاں یزید کا ٹھکانہ ہو۔ میرا عنوان ہے:۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى (پارہ نمبر 1، آیت نمبر 125)

اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ مکمل دستاویز کی آخری مہر جس سے مجال انکار نہیں۔ گھر خدا کا ہے اور نقش قدم خلیل کا۔ اگر یادوں کا منانا جرم ہوتا تو قرآن نہ کہتا کہ مقام ابراہیم کو اپنی سجدہ گاہ بناؤ، بلکہ یہ کہا جاتا کہ اللہ کے گھر سے اسے الگ کیا جائے۔ لیکن کوئی اور نہیں خدا خود فرماتا ہے کہ کہیں اور نہیں میرے ہی گھر میں میرے محبوب کا نقش قدم رہنے دو، تاکہ معمار اول کی حیثیت سے ان کی یاد ہمیشہ قائم و دائم رہے۔

عمر تمام رفت بیاتا قضا کنیم
عمریکہ بے حضور صراحی وجام رفت

ختم شد

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان کی سرگرمیاں

ہفت واری اجتماع :۔

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان کے زیر اہتمام ہر پیر کو بعد نماز عشاء تقریباً ۱۰ بجے رات کو نور مسجد کاغذی بازار کراچی میں ایک اجتماع منعقد ہوتا ہے جس سے مقتدر و مختلف علمائے اہلسنّت مختلف موضوعات پر خطاب فرماتے ہیں۔

مفت سلسلہ اشاعت :۔

جمعیت کے تحت ایک مفت اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہے جس کے تحت ہر ماہ مقتدر علمائے اہلسنّت کی کتابیں مفت شائع کر کے تقسیم کی جاتی ہیں۔ خواہش مند حضرات نور مسجد سے رابطہ کریں۔

مدارس حفظ و ناظرہ :۔

جمعیت کے تحت رات کو حفظ و ناظرہ کے مختلف مدارس لگائے جاتے ہیں جہاں قرآن پاک حفظ و ناظرہ کی مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

درس نظامی :۔

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان کے تحت رات کے اوقات میں درس نظامی کی کلاسیں بھی لگائی جاتی ہیں جس میں ابتدائی پانچ درجوں کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

کتب و کیسٹ لائبریری :۔

جمعیت کے تحت ایک لائبریری بھی قائم ہے جس میں مختلف علمائے اہلسنّت کی کتابیں مطالعہ کے لیے اور کیسٹیں سماعت کے لیے مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ خواہش مند حضرات رابطہ فرمائیں۔